ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

جدید سرائیکی شاعری میں خواجہ غلام فرید کا رومان
ROMANCE OF KHAWAJA GHULAM FARID IN MODERN SARAIKI POETRY

Muhammad Arif
Lecturer,Saraiki Area Study Centre,
Bahauddin Zakariya University, Multan
arifrajwana@gmail.com
Riaz Hussain Khan Sindher
Assistant Professor,Department of Siraiki,
The Islamia University of Bahawalpur
riazsindher@gmail.com

Abstract:
Every nation has some pride. The poets of that nation repeatedly celebrate this pride in their poetry. Similarly every nation has a poet who is the icon of his nation and called the poet de laureate. He becomes a romance for his successors who celebrate this pride and icon of their nation. Khawaja Ghulam Farid is the pride and icon of Saraiki nation. His art and thoughts are subtle and sublime. He has given Saraiki nation identity and pride and he has become a poet de laureate of Saraiki language. He is the only Saraiki poet who has been celebrated from his own time to the present time too. His significance and importance has increased day by day. More than a century has passed but the charisma of his personality and art has not diminished. He has also become the pride of the poets of this region and he has emerged as a great romance in the poetry of his successors. The modern Saraiki poems include all the romantic elements that are specific to the romantic poetry of the world. 0ne of the biggest romance of Saraiki poets is Khawaja Ghulam Farid. More than twenty years ago, a collection of poetry has been published and that collection contains the poems dedicated to Khawaja Ghulam Farid. In this research article, a critical review of this devotion and romance expressed by the poets of modern Saraiki poetry will be analyzed by reading the poem in which Khawaja Ghulam Farid and his poetic excellence has been appreciated and celebrated. These facts and reasons will be brought forward due to which Khawaja Ghulam Farid has become a romance for modern Saraiki poets till date.

Key words:
Khawaja Ghulam Farid, identity, pride, mystic poetry, romantic, poetic tribute, Poet De laureate, Successors

ہر قوم اور اس کے لوگوں کواپنے ایک ایسا شاعر کی ضرورت ہوتی ہے جو اُن کی شناخت اور اُن کا فخر ہوجسے وہ قوم Celebrateکرسکے۔ ایسے بڑے شاعر کو اُس قوم کا قومی شاعری (poet de laureate)کہتے ہیں ۔ جیسے سندھی قوم کی شناخت ، فخر اور قومی شاعر شاہ لطیف ہیں اسی طرح پنجابی قوم کا ایسا شاعر وارث شاہ، بلوچ قوم کا شاعر جام درک ، پٹھانوں کا رحمان بابا ، انگریز قوم کا شاعر ولیم شیکسپیئر ہے اُسی طرح سرائیکی قوم کا فخر ، شناخت اور قومی شاعر خواجہ غلام فرید ہے۔ یہ ایک بہت بڑا اعزاز ہوتا ہے۔ جو ہر شا عر کو نصیب نہیں ہوتا ہے۔سرائیکی زبان وا دب میں یہ اعزاز خواجہ غلام فرید کو حاصل ہوا ہے کہ وہ سرائیکی قوم کی شناخت اور فخر بنے ہیں ۔وہ سرائیکی قوم کی شناخت بھی بنے ہیں اور انہیں سرائیکی قوم اور اس کے شاعروں نے Celebrateبھی کیا ہے۔خواجہ غلام فرید کا سرائیکی قوم کےقومی شاعر بننے کا ایک پس منظر ہے وہ یہ ہے کہ ہر قوم جب اپنی شاخت کے عمل سے گزرتی ہے تو اُس کو ایک قومی شاعر کی ضرورت ہوتی ہے۔ خواجہ غلام فرید پر پہلا کام تواُسے وقت شروع ہوگیا تھا جب ۱۹۳۹ءمیں جب مولانا عزیز الرحمن نے رسالہ "العزیز " چھپا تھا۔اس رسالے کے بارے میں ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز لکھتے ہیں کہ :

> "ماہنامہ /ہفتہ روزہ "العزیز " بہاول پور (۱۹۳۹ء۔ ۱۹٤٦ء) نگران مولوی عزیز الرحمن اور مدیر حفیظ الرحمٰن تھے، پہلے ماہنامہ تھا (اکتوبر ۱۹٤۳ء کا ایک شمارہ میرے پاس موجود ہے)پھر ہفت روزہ ہوگیا

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

۔ تمام ریکارڈ سیٹھ محمدعبیدالرحمن علیگ کے پاس محفوظ ہے۔ یہ باتصویر چھپتا تھا ۔(ہفت روزہ کے دور میں کچھ عرصہ علامہ رحمت اللہ ارشد مدیر رہے) یہ رسالہ سرائیکی صحافت کا ایک اہم سنگ میل سمجھا جاتا ہے۔ "(۱)

اس رسالے کی سرپرستی نواب آف بہاولپور کی ریاست نے کی تھی۔ خواجہ غلام فرید بہاولپور کے نواب کے مرشد تھے۔ فرید فہمی کی روایت وہاں سے شروع ہوئی۔ جدید سرائیکی نسل نے پھر ۱۹۶۰ء کی دہائی میں فرید فہمی کی روایت کا احیاء کیا۔ خواجہ غلام فرید کو اپنا قومی شاعر بنانے کا کام شروع ہوا۔ یہ اس لیے شروع ہوا کہ انہیں محسوس ہوا کہ ان کابھی ایک قومی شاعر ہونا چاہیے۔بہاولپور کی ریاست سرائیکی لوگوں کا آخری رومانس تھا اور بہاولپور ریاست کا آخری رومانس اُن کا شاعر خواجہ غلام فرید تھے۔ خواجہ صاحب دا تعلق ملتان سے بھی اتنا تھا جتنا بہاولپور سے ،ملتان کی ریاست بھی بہاولپور کی ریاست کی پروردہ رہی ہے۔ ڈیرہ غازی بھی بہاولپور کی جاگیر تھی۔خواجہ غلام فرید ڈیرہ غازی خان اور ملتان کےبھی قومی شاعرتھے۔بہاولپور میں تووہ بادشادہ تھے۔ سرائیکی وسیب کا رومانس خواجہ غلام فرید کے ساتھ بہت پرانا کھڑا تھا۔ خواجہ کا تیسرا فائدہ یہ تھا کہ وہ آخری خاتم الصوفیاء ہے۔ سندھ وادی کی تصوف کی تاریخ کاآخری بڑا صوفی شاعر خواجہ غلام فرید ہے۔ اس کے بعد اتنا بڑا صوفی شاعریہا ں پیدا نہیں ہوا۔ خواجہ فرید سے اوپر جو صوفی کھڑا ہے وہ سچل سرمست ہے،خواجہ غلام فرید سے پہلے ان کی پیدائش سے سولہ سال پہلے سچل فوت ہوا ہے۔ سچل ۱۸۲۹ء فوت ہوئے ہیں ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ خواجہ غلام فرید سے پہلے جو ایک بڑا صوفی اس خطے میں پیداہوا وہ خواجہ غلام فرید کی پیدائش سے سولہ سال پہلے فوت ہوچکا تھا۔ اس کے بعد خواجہ غلام فرید کا دور آتا ہے اور خواجہ فرید کے بعد کوئی بڑا صوفی شاعر پیدا نہیں ہوا۔ خواجہ غلام فرید کوadvantage یہ ہوا کہ سچل سے لیکربابا فرید تک تصوف کی جو اتنی بڑی روایت کھڑی تھی،جو کم و بیش سات سو سال پرانی تھی، خواجہ غلام فرید اُس ساری روایت کا عالم تھا۔ اس روایت کوخواجہ غلام فرید نے جذب(absorb) بھی کیا تھا اور اس کی ازسرنو تخلیق (Recreate)بھی کی ہے ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس خطے میں تصوف کی جو تحریک چلی ہے، اس کے خطے کے علاوہ انڈو مسلم کی جو صوفیانہ موومنٹ ہے اس کا سب سے بڑا عالم خواجہ غلام فرید تھے۔خواجہ غلام فرید سے پہلے جتناتصوف کی تحریک ایران میں چلی، پورے صوفیاء جو وہاں پیداہوئے، خواجہ غلام فرید انہیں پڑھ چکے تھے،عربی روایت سے بھی وہ پوری طرح واقف تھے کیونکہ عربی کے بھی وہ اتنے بڑے عالم تھے جتنا فارسی کے۔اور یہا ں جو ہندوستانی صوفیا کی تحریک موجود تھی جس میں ہندو صوفیا ء کی تحریک بھی ہے، بھگتی تحریک اور مسلم صوفیا ء کی تحریک بھی ہے، خواجہ ان سب تحریکوں کو اچھی طرح جانتے تھے۔ان کی شاعری میں یہ سب فکری دھارے اکٹھے ہوگئے ہیں۔ خواجہ فرید کی شاعری میں ایک اسلامی روایت کا دھارا ہے اور دوسرا مقامی روایت کا دھارا ہے۔ان دونوں دھاروں کو اکٹھا کرنے سے جو روایت بنی ہے اس نے خواجہ غلام فرید کی شاعری کو جنم دیا ہے۔اسی سے اتنا بڑا گریڈ ماسٹر خواجہ غلام فرید کی شکل میں پیدا ہوا ، یہی وجہ ہے کہ اس کا رومانس بھی اتنا بڑا ہے ۔ اتنی روایتوں کوانجذاب کرنے کی صلاحیت اُس کے بعد اتفاق سے کسی اور شاعر میں نہیں آئی۔ اس لیے خواجہ غلام فرید خاتم الصوفیاء ہے۔ سندھ وادی کے جتنے بھی صوفی گزر ے ہیں۔بابا فرید سے لیکر شاہ حسین تک، شاہ حسین سے لیکر بلھے شاہ تک ، بلھے شاہ سے لیکر سچل سرمست تک، سچل سرمست سے لیکر خواجہ فرید تک، چاہے وہ کافی کی روایت کے شاعر ہیں یا دوسرے غیر صوفی شاعر ہیں، خواجہ فرید اُن کے بھی حافظ تھے۔ سیفل نامہ صوفی شاعری نہیں ہے، خواجہ غلام فرید اُس کا حافظ ہے۔لطف علی خواجہ غلام فرید کا مرشد ہے۔لطف علی وہ واحد شاعر ہے جس کا ذکر ہمیں مقابیس المجلس میں ملتا ہے کہ خواجہ غلام فرید اعتراف کرتے ہیں کہ وہ اپنی جوانی میں جب قرآن حفظ کر رہے تھے توایک سپارہ وہ دو گھنٹوں میں یاد کر لیتے تھے۔اور سیفل نامہ کا ایک بند وہ دو دوگھنٹوں میں یاد کرتے تھے۔ یعنی جس زمانے میں وہ قرآن حفظ کر رہے تھے وہ سیفل نامہ بھی حفظ کر رہے تھے،یعنی خواجہ غلام فرید نے دو حفظ اکٹھے کئے ہیں۔ اس کے شروع میں انہوں نے لکھا ہے "در

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

ابتدائے حال"حال کا مطلب ہے جب نیا نیا عشق ہوتا ہے۔ جب خواجہ غلام فرید جب حال کی کیفت میں آئے یہ جب کی بات ہے۔یہ کیفیات آپ کس شاعر میں دیکھ رہے ہیں جو شاعری کا اتنا دیوانہ ہے کہ جو قرآن بھی حفظ کررہا ہے اور سیفل نامہ بھی یاد کررہا ہے۔ اُس میں سے جو بندہ جنم لے گا وہ خواجہ غلام فرید ہی ہوگا۔ خواجہ غلام فرید کا رومانس اس لیے جدید سرائیکی شاعری میں بنا ہے کہ ایک اتنا پڑھا لکھا کوئی دوسرا بندہ ہماری کلاسک میں نہیں تھا۔ دوسرا اتنا subtle and sublime شاعر کہ جس کے پاس تصوف کی پچھلی تمام روایت ، کافی کی روایت اور موسیقی کی مختلف صورتوں کےتجربات موجود تھے،اور جتنےہئیت کے تجربات اُن کے پاس موجود تھے، اُن سے پہلے کافی کے سب سے زیادہ تجربات ہئیت کے حوالے سے سچل نے کئے ہیں۔ شاہ حسین کی کافی بھی بہت مشکل ہے، جو بظاہر بہت سادہ معلوم ہوتی ہے لیکن موسیقی سے شغف رکھنے والے اور موسیقی کا علم رکھنے والے جانتے ہیں کہ شاہ حسین کی کافی اپنی گائیکی میں بہت مشکل ہے۔ اُس میں تنوع نہیں ہے، شاہ حسین نے بہت زیادہ پلٹے نہیں کھائے، وہ ایک رو میں ہے بہت سادہ پر بہت مشکل ہے۔ سچل نے کافی کے اندر بے شمار تجربات کیے ہیں۔ سچل نے کافی مسدس میں بھی لکھی ،مربع میں بھی لکھی ہے،مثلث میں بھی لکھی ہے، ہک استھائی والی کافی بھی لکھی ہے،اُن کی شاعری میں کافی کی کئی شکلیں ملتی ہے۔ دو استھائی والی کافیاں بھی لکھی ہیں۔ سچل نے کافی میں کئی ہئیتی تجربے کئے ہیں۔ یہ سارے تجربے جو شاہ حسین سے لیکر سچل سرمست کی شاعری میں ہوئے تھے ، اکیلے خواجہ غلام فرید نے اپنی کافیاں میں کیے ہیں۔ او ر اس میں اپنے اضافے بھی ساتھ کیے ہیں۔ سو اس کے نتائج یہ نکلے کہ اس خطے کے جتنے بھی موسیقار تھے، یہا ں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ موسیقار کو جو بندہ اپنی طرف کھینچتا ہے attractکرتا ہے ،وہ موسیقی میں مہارت رکھنے والا گنّی ہوتا ہے اور خواجہ غلام فرید تو فن موسیقی کوخوب جاننے والے صوفی شاعر تھے۔ شاعری کا پہلا medium موسیقی اور موسیقار ہے۔کتاب تو بعد میں آئی ہے۔ دیوان کا ایک نسخہ نقل ہوتے ہوتے مہینوں لگ جاتے تھے اس کے بعد کوئی کافی کہیں جاپہنچتی تھی۔اگر کتاب چھپتی تھی تو لیڑیسی ریٹ نہیں تھا، لٹریسی ریٹ تھا بھی تو کوئی سرائیکی پڑھنا والا نہیں تھا، اُس دور میں اگر کوئی میڈیم تھا جس کے ذریعے شاعری عوام(Common Man) تک سفر کرتی تھی اور شاعری شہروں تک، دیہاتوں تک اور عام آدمی تک پہنچتی تھی تو وہ میڈیم موسیقی کا تھا۔شاعری عام کرنے والےموسیقار ،قوال اور گلوکار تھے۔خواجہ غلام فرید نے اپنی شاعری کے لئے ایک بہت بڑیaudience تخلیق کی تھی۔انہوں نے جو پہلی audienceاپنی شاعری کے لئےتخلیق(Create) کی، وہ موسیقاروں ، قوالوں اور گلوکاروں کی تھی ۔ عوام (Public) کی audienceانہوں نے بعد میںCreate کی ہے ۔ موسیقار وں (Musicians) کوایسا لگا کہ یہ وہ استاد ہے جس کے کلام اور دھنوں کو گاکر وہ خود استاد ہوسکتے ہیں۔ یہ خواجہ غلام فرید کا کمال اورکرشمہ تھا۔
خواجہ غلام فرید کے ساتھ اُن کا ذاتی قوال "برکت قوال" اُن کے ساتھ رہتا تھا۔ادھر خواجہ صاحب کو کافی الہام ہوتی اُدھر اُس کی دھن بن جاتی۔خواجہ صاحب جو کافی کہتے اُسی لمحے وہ بتا بھی دیتے کہ اسے اس راگ میں گانا ہے۔ خواجہ غلام فرید کی ہر کافی نازل ہونے کے بعد، کمپوز ہوئی ہے اور گائی گئی ہے۔یہ بات خواجہ فرید نے لکھی ہے۔کوئی کافی ایسی نہیں ہے جو نازل ہوئی ہو اور وہ کمپوز نہ ہوئی ہو اور گائی نہ گئی ہو۔ برکت قوال جب اُسے کمپوز کرتے تے خواجہ صاحب اُس کے کئی مقامات پر درستگی بھی فرماتے۔مقابیس المجالس میں اس کے حوالے موجود ہیں۔ اُس وقت شاعری کا میڈیم موسیقی تھا۔ آج تو ایک کافی،غزل، گیت کسی چینل پر چل جائے تو وہ فوراً پھیل جاتا ہے، پر اُس زمانے میں میڈیم موسیقی اور موسیقار تھے،پھر کتاب آئی ، پھر اخبار آیا، رسالے آئے،میڈیم تھوڑے تھوڑے بدلتے رہے،آج میڈیا آگیا ہے۔ خواجہ کے زمانے کا جو میڈیا کھڑا تھا ، وہ یہی قوال اور لوک گلوکار تھے، خواجہ غلام فرید نے اُس میڈیا کو خوب استعمال کیا ۔ اُس وقت کے موسیقار اور گلوکار کے لیے شہرت کا ذریعہ خواجہ غلام فرید تھے، اُن کی کافی کو جو گالیتا وہ شہرت کو پالیتا۔ خواجہ فرید کے ساتھ جدید سرائیکی شاعری کے رومانس کی ایک پوری تاریخ ہے۔ جس نے نسل در نسل سفر(Travel) کیا ہے۔ سرائیکی شاعری کے موجودہ دو ر میں دو آدمی بڑے ذہین ثابت ہوئے ،جنہوں نے سب سے پہلے اس میڈیم کو پکڑا ہے۔سب سے پہلا بندہ اشولال ہے۔ جس نے اپنی عمر کا بہت سارا حصہ پٹھانے خان کی خدمت میں گزار ا۔ اس

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

کے بعد اُس نےریڈیو اور بستیوں کے گلوکاروں سے اپنا کلام گوایا۔ اشولال شاعر ی کے اس میڈیم سے باخبرتھے۔ اسی طرح رفعت عباس نے بھی سعید سانول جو ریڈیو پاکستان کے معروف گلوکار ہیں ، اُن کے ساتھ کافی وقت گزارا ہے اور اپنے کلام کواُن سے اور دوسرے ریڈیو کے گلوکاروں سے گوایا ہے۔لیکن خواجہ نے اس میڈیم کوسب سے زیادہ اور بہترانداز میں استعمال کیا ہے اور اس سے اُن کا کلام دور دور تک پھیلا ہے اور یوں خواجہ غلام فرید نے نسل در نسل سفر کیا ہے ۔ خواجہ کے ساتھ سرائیکی وسیب کے لوگوں کا رومانس خواجہ فرید کی حیاتی ہی میں شروع ہوگیا تھا۔ جب سرائیکی شاعری کا جدید دور آیا تو سرائیکی وسیب کے شاعروں کو دو مسائل درپیش ہوئے، ایک تویہ کہ جدید سرائیکی شاعری نے جدید تقاضوں کے مطابق ابھی بہت لمبا سفر طے کرنا تھااور نسل در نسل اسے منتقل ہونا تھا جس کے لیے اعلی شاعر ی تخلیق کرنے والے شاعروں کی ایک کھیپ کی ضرورت تھی۔ دوسرامسئلہ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں یہ درپیش آیا کہ شناخت کا بحران (identity Crisis) شروع ہوا۔ شناخت کا یہ بحران تو پاکستان بننے کے بعد سے ہی شروع ہوگیا تھا۔ بہاولپور کی ریاست ختم ہوگئی ، برطانوی عہد میں ملتان کی ریاست پہلے پنجاب میں شامل ہوگئی تھی۔ سرائیکی وسیب کے لوگ اپنی ایک شناخت رکھتے تھے، پرپاکستان بننے کے چند سالوں بعد انہیں اپنی شناخت کے مسئلے کا ادراک ہونا شروع ہوگیا تھا۔ اس شناخت کے بحران کے خاتمے کے لیے بہت ابتدائی سطح پر ایک جدوجہد شروع ہوئی، سرائیکی زبان اور ادب کے حوالے سے رسائل چھپنا شروع ہوئے۔۵۱- ۱۹۵۰ء میں سید علی شاہ ملتانی نے پہلا رسالہ پنجندنکالا۔سید علی شاہ ملتانی پڑھے لکھے اور کمال کے انسان تھے۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں سندھیوں کی تحریک شروع ہوگئی، ادھر بنگالی کی تحریک بھی شروع ہوگئی۔ اس کی تپش سرائیکی دانشوروں نے بھی محسوس کی ، انہوں نے محسوس کیا کہ وہ بھی تواپنی لسانی اور ثقافتی شناخت رکھتے ہیں۔ پھر اہم بات یہ ہوئی کہ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں مارشل لاء لگ گیا، ون یونٹ بن گیا اور بھی کئی چیزیں ہوئیں۔ مارشل لاء کے دور میں سندھیوں نے ایک رستہ نکالا کہ انہوں نے صوفیانہ شامیں منانا شروع کردیں۔ یہ کام شروع کرنے میں جی ایم سید کا اہم کردار تھا۔انہوں نے" شامِ لطیف" منائی، یہاں سرائیکی وسیب کے دانشوروں نے "شامِ فرید "منانا شروع کردی۔ یہ ایک قسم کی شام غریباں پڑھنے کے مترادف تھا۔شاہ لطیف نےاپنی شاعری میں سندھ کے سارے دکھ درد بیان کیے ہیں۔ مارشل میں لوگ بھرے ہوئے تو تھے ہی،الاٹمنٹ ، ان کی دھرتی پرغیر لوگوں کی آمد، ان کی زمینوں پر قبصے، لوگ جیلوں میں ہیں، لوگوں کو "غم حسین " چاہیے تھا، سندھ کے لوگوں نے غم حسین منانے کے لیے شاہ لطیف کو کندھے پر رکھااور پھر سندھ کی عظمت ، سندھ کی بستیوں کی سندھ کے گوٹھوں کی ،سند ھ کے بازاروں، جنگلوں اور صحراؤں کی ، سندھ کی مارویوں کی سب باتیں شاہ لطیف کے کلام میں موجود تھیں، ان کا ذکر کرکرکے اپنے دل کا غبار نکالا گیا، سرائیکی وسیب کے لوگوں کے پاس اپنی "شام غریباں " پڑھنے کے لیے اپنے کندھوں پر اٹھانے کے لیے خواجہ غلام فرید موجود تھے۔ان کی شاعری میں ہر چیز موجود تھی، روہی بھی ان کی شاعری میں موجود ہے، ملتان بھی، دریا بھی اسی میں موجود ہیں، ریگزار بھی موجود ہیں، سیلاب بھی ہیں۔ سسی بھی اس میں بھٹکتی نظر آتی ہے اور سوہنی بھی ان میں ڈوبتی نظر آتی ہے،اب آپ چاہے انہیں چاہے بھٹکائیں ، بہا دیں ، روئیں ، پیٹیں، ہنسیں ، کھیلیں، سب کچھ فرید کی شاعری میں موجود ہے۔ پھول بھی ہیں، درخت بھی ہیں، گلزار بھی ہیں، صحرا بھی ہیں، ریگزار بھی ہیں ، پہاڑ بھی ہیں، دریا بھی ہیں ہر چیز ہے۔ پوری سرائیکی دھرتی اپنی تہذیبی اور ثقافتی تاریخ اور فطرتی حسن کے ساتھ خواجہ غلام فرید کی شاعری میں موجود تھی۔ سرائیکی وسیب کے شاعروں نے اپنی دھرتی کی (Re-exploration)کی ۔ اُس وقت سرائیکی وسیب کے لوگوں کے پاس کوئی بڑا شاعر موجود نہیں تھا سوائے خواجہ غلام فرید کے۔ وہ ایک مستند شاعر کے طور پر تسلیم شدہ تھے، صوفی تھے، اُن کی آڑ میں بہت کچھ کہا جا سکتا تھا۔ اس طرح سندھیوں، بنگالیوں اور سرائیکیوں نے اپنےان شاعروں کے ذریعے اپنے دکھ روئیے۔ مارشل لاء کے دور میں لوگوں کوپتہ تھا کہ اگر وہ یہ کہتے کہ سرائیکستان زندہ باد،ان کی دھرتی سرائیکستان، ان کی دھرتی واپس کی جائے تومارشل لاء کی پکڑ دھکڑ کا شکار ہوجاتے، پر جب خواجہ غلام فرید کے کلام کے ذریعے آپ جو مرضی کہیں، سرائیکی وسیب کے لوگوں کی بات کریں توکوئی ممانعت نہیں۔ خواجہ غلام فرید کی زندگی میں ہی ایس سی کالج بہاولپور میں "

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

فرید ڈے " منایا گیا تھا۔ اُس کی روداد بھی"صادق الاخبار" جو کہ ریاست بہاولپور کا گزیٹیئر تھامیں چھپی ملتی ہے۔۱۹۶۰ء کی دہائی میں جشن فرید ملتان میں منایا گیا تھا۔ اُس میں جو مقالا ت پڑھے گئے تھے وہ پریت مہار کے نام سے محمد کریم تونسوی، ارشد ملتانی اور ریاض انور نے ترتیب دے کر بزم ثقافت ملتان نے شائع کرائے تھے ۔ جس میں ان مرتبین نے لکھا تھا کہ :

> "خواجہ غلام فریدکی شاعری صرف ایک دور کی روایات اور ماحول کا جمالیاتی اظہار نہیں بلکہ اس میں صدیوں کی ثقافتی و سماجی اقدار کا نچوڑ شامل ہے اور یہ روایات اس قدر تابندہ و تابناک ہیں کہ ہم انہیں اپنائے بغیر نہیں رہ سکتے ۔"جشنِ فرید " کا انعقاد اور "پریت مہار" کی اشاعت اسی جذبہ کی مرہوں منّت ہیں!"(۲)

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جدید سرائیکی شاعری کے آغاز سے بہت پہلے خواجہ غلام فرید سرائیکی خطّے کے عام لوگوں اور دانشوروں کے لیےاُن کی شناخت کا ایک اہم حوالہ اور رومانس بن چکے تھے۔
حقیقت یہ ہے کہ ساٹھ کی دہائی سے لیکر ۱۹۹۰ء تک کی دہائی تک پاکستان میں زیادہ ترمارشل لاء ہی رہا ہے۔سیاسی جماعتوں کو حکومت کرنے کے لیے بہت تھوڑا عرصہ ملا ہے۔ضیاء کے مارشل لاء کے جبر کے دور میں خواجہ فرید کو سب سے زیادہ گایا گیا ہے۔ خواجہ غلام فرید آج سرائیکی شاعری کا شناخت(icon) بن چکا ہے۔ہر قوم اپنا ایک قومی شاعر بناتی ہے۔ جو اس کی شناخت ہوتا ہے ، اسے اُس کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ قومی شاعر اُس قوم کا ادبی شناخت نامہ (identity Card)ہوتا ہے۔قوموں کی ادبی شناختیں(Literary Identities) ہوتی ہیں۔ یہ ضروری ہوتی ہیں۔ دنیا کی کونسی سے قوم ہے جس کے پاس یہ ادبی شناختی کارڈ نہ ہو۔ جرمنی کے پاس گوئٹے ہے، ایرانیوں کے پاس فردوسی ہیں، اس icon سے بڑے شاعر بھی ہوسکتے ہیں، یہ نہیں کہ شیکسپیئر سے بڑا کوئی شاعر نہیں تھا، لیطف شاہ ہک شناخت ہے، فرید ہک شناخت ہے،بنگلہ دیش میں قاضی نذرالاسلام شناخت ہے، یہ وہ شاعر ہوتے ہیں جن کے گرد ساری قومیں جمع ہوتی ہیں اور کھڑی ہوتیں ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ icon زبردستی بنایا گیا یااُس کے اندر جان ہے، جان ہوتی ہے تو وہ surviveکرتا ہے۔فرید کی شاعری میں وہ مواد(content) موجود ہے جو مواد کسی قوم کوکٹھا کر سکتا ہے۔ بڑے شاعروں میں ایک خاص مماثلت ہوتی ۔ اُن کی زبان میں خاص زبان موجود ہوتی ہے۔ اُس پر کوئی دوسرا قبضہ نہیں کرسکتا۔ اس کی زبان کوبدلنا مشکل ہوجاتا ہے۔ خواجہ غلام فرید کے پاس بھی سرائیکی کی خالص زبان موجود تھی۔ جس کی وجہ سے خواجہ غلام فرید کو کوئی سرائیکی قوم سے چھین نہیں سکتا ہے۔ جیسے بابا فرید، شاہ حسین اور علی حیدر ملتانی کو چھینا جاسکتا ہے خواجہ غلام فرید کو ویسے نہیں چھینا جاسکتا ۔یہ وہ پس منظر تھا جس کی بنا پر سرائیکی قوم اور سرائیکی شاعروں کے لیے خواجہ فرید قومی شاعر بھی بنے اور ایک رومان کے طور پر بھی اُبھرے۔
خواجہ غلام فرید کے ساتھ سرائیکی شاعروں کاجو ایک جذباتی ، روحانی اور رومانوی رشتہ قائم ہو چکا ہے اس کا اظہار انہوں نے اپنی نظموں میں بھرپور انداز میں کیا ہے۔ اس اظہار کا ثبوت ۲۰۰۲ء میں چھپ کر آنے والی کتاب " نذرِ فرید " ہے ۔ جسے محمد حیات چغتائی نے ترتیب دیا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے بہت ہی عرق ریزی ا ور جانفشانی سے ۲۰۰۲ء تک خواجہ غلام فرید کو جن شاعروں نے منظوم خراج تحسین پیش کیے ہیں اُن کی نظموں کو کٹھا کردیا ہے۔ اس میں خواجہ غلام فرید پر لکھی جانے والی سرائیکی شاعروں کی سرائیکی نظموں کے ساتھ ساتھ انگریزی ، فارسی اور اردو زبا ن کے شاعروں کی۷۸ نظموں کو شامل کیا ہے۔ اس کام سے متعلق محمد حیات چغتائی کی رائے یہ ہے کہ :

> " اس مطالعے سے کئی ایسے پہلو بھی سامنے آتے ہیں کہ ایک شا عر شعرفرید کن زاویوں سے پرکھتا ہے اور کون سے جمالیاتی نقطہ نگاہ سے مطالعہ کرنے کے بعد وہ خراج تحسین پیش کرتا ہے۔"(۳)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

خواجہ غلام فرید کے فن ، فکر اور شخصیت کے حوالے سے جتنے شاعروں نے خواجہ غلام فرید نے منظوم خراج تحسین پیش کیے ہیں ان میں سے جو قابل ذکر بڑے بڑے نام ہیں ان میں سے ایک نام سید عطااللہ شاہ بخاری کا ہے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا شمار برصغیر پاک و ہند عظیم ترین خطیبوں میں ہوتا ہے۔ وہ مجلس احرار ِ اسلام کے بانی تھے۔ انہوں نے فارسی زبان میں خواجہ غلام فرید کو فارسی زبان میں خراج ِ تحسین پیش کیا ہے۔انہوں نے اپنی اس نظم میں خواجہ فرید کے بارے میں کہا ہے کہ وہ محبت کے پھول ہیں اور وہ فطرت سے محبت کرنے والوں کے راہنما ہیں۔ اس نظم کے چند خوبصورت شعر ملاحظہ ہو:

" رہبر عاشقان پاک سرشت شاہد عاشقان بزم وحید
سُرمہ چشم شد بخاری را خاکپائے غلام خواجہ فرید"(٤)

اسی طرح خرم بہاول پوری جو سرائیکی زبان کے ایک بڑے شاعر ہن جن کی شاعری سرائیکی میں کافی اور غزل کی روایت میں بہت ہی اہمیت کی حامل ہے اور انہاں کا علمی ادبی قد کاٹھ سرائیکی زبان کے برے کلاسیکل شاعروں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے خواجہ غلام فرید کو منظوم خراج عقیدت فارسی زبان میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے خواجہ غلام فرید کی شاعری کو عقل و دانش، فہم و فراست کے باغ کا سرو قرار دیا ہے اور فن شاعری کے گلشن کا بلبل قرار دیتے ہوئے فصاحت کے اعتبار سے عرفی شیرازی اور ظہوری سے بہتر گردانا ہے اور لکھا ہے کہ :

سروِ باغ فراست و دانش بلبلِ گلشن سخن دانی
بہ فصاحت چو عرفی شیراز بہ بلاغت ظہور ی ثانی" (٥)

اسی طرح ابوالاثر حفیظ جالندھری جو کہ اردو کے بے مثال غنائی شاعربے اور جنہیں پاکستان کا قومی ترانہ لکھنےکا بھی اعزاز حاصل ہے ، انہوں نے بھی خواجہ غلام فرید کو منظو م عقیدت نامہ پیش کیا ہے ۔ ابوالاثر حفیظ جالندھری کے اس منظوم عقیدت نامہ "حضرت خواجہ غلام فرید کے حضور " کے ابتدائی شعر ملاحظہ ہوں؛

مبذا پُر نور ذکر حضرت خواجہ فرید آج اندھیری رات میں بے جلوہ صبح امید
جان و ایماں کی توانائی یہ بزم سعید دور حاضر کے لیے صدق صفا کی ہے نوید"(٦)

جدید سرائیکی نظم کی ابتداء کرنے والے شاعروں میں ایک بڑا نام حسن رضا گردیز ی کا ہے۔ حسن رضا گردیزی کی شاعری سرائیکی زبان کی روایتی شاعری کے برعکس نئے رجحانات کے ساتھ اُس وقت سامنے آئی جب اُن کا شعری مجموعہ "دھاہے دھوڑے " ١٩٧٩ء میں بزم ثقافت ملتان کی طرف سےچھپ کر سامنے آیا۔ اس شعری مجموعے میں پرانے فکری اور فنی روایتوں سے انحراف صاف طور پر نظر آتا ہے۔ اس میں رومانوی شاعری کی حامل کئی نظم موجود ہیں۔ اس شعری مجموعے میں خواجہ فرید کے ساتھ سرائیکی شاعروں کا جو رومانس قائم ہوا ہے ،حسن رضا گردیزی کی نظم "خواجہ غلام فرید علیہ الرحمتہ " اُسی رومانس کوظاہر کرتی ہے جس میں حسن رضا گردیزی خواجہ غلام فرید دی کافیاں کوں ہاں دی ٹھاڈل آہدن ۔ نظم ملاحظہ تھیوے:

"ٹر ویندن درداں دے مارے پیر فرید دے گانونڑ گاندے
اے کافیاں درداں دے داروں اے نغمے ہن ٹھاڈل ہاں دے
تردے رہسن سِندھ دے اُتے ڈیوے اوں لچپال دے ناں دے" (٧)

جدید سرائیکی نظم گو شاعراں میں خواجہ فرید سے رومانس کا ایک اور بڑا حوالہ ارشاد تونسوی کا ہے۔ ارشاد تونسوی کو جدید سرائیکی نظم کے بانی شاعروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ انہوں نے اردو اور پنجابی شاعروں کے زیر اثر جو سرائیکی شاعری کی ہے اُس میں کئی رومانوی عناصر موجود ہن ، جن میں کئی فکری انحرافات موجود ہیں۔ خواجہ فرید سے جڑت کا رومانس ارشاد تونسوی کی نظم "پیر فرید " میں سرائیکی رومانویت کے اُس عنصر کی طرف اشارہ ہے جس نے رومانویت کے دائرے کو پھیلایا ہے اور رومانویت کو معنوی وسعت دی ہے۔ اس نظم میں ارشاد تونسوی اپنے محبوب سے اچھے موسموں میں ملنے کی استدعا کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور پھر محبوب کی طرف سے مثبت جواب نہ ملنے پرشاعر کا ماضٰی میں کھوجانا نظم کو ایک رومانوی رنگ دیتا ہے ۔ پھر

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

نظم میں وہ رومانس ابھرتا ہے جو سرائیکی نظم گوئی میں سرائیکی نظم گو شاعروں کا خواجہ فرید کے ساتھ جڑا ہے۔شاعر کو اپنے اندر سے خواجہ غلام فرید کے کلام کی صدا سنائی دیتی ہےیہ صدا اُس کے اندر سے آرہی ہے ۔ اسے سننے کے بعد اس کے اندرجو خیال جاگتا ہے اُسے ارشاد تونسوی نے یوں بیان کیا ہے :

ساری دھرتی میڈے اندر
میں دھرتی دا پتر
میڈے قدمیں سندھ دا پاٹی سرفرید دا سایہ
میڈیاں جھوکاں وسدیاں راہسن وسدیاں راہسن رسدیاں رہسن
میڈیاں سوہٹیاں میڈیاں سسیاں
پیر فرید کوں گاندیاں راہسن
پیر فرید دے فیض دیاں نہراں
ساڈے گھر یں واہندیاں راہسن" (۸)

خواجہ فرید سرائیکی وسیب کے عام لوگوں کے بھی اور سرائیکی وسیب کے شاعروں کے بھی ایک صدی زیادہ کا عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی تسلی اور حوصلے کا سامان مہیا کرتی نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواجہ فرید سے سرائیکی شاعروں اور عام لوکا ں کا ایک جذباتی تعلق بن چکا ہے جو رومان کی صورت سرائیکی نظم گو شاعروں کی شاعری ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ ارشا د تونسوی کی شاعری کی طرح ڈاکٹر نصراللہ خان ناصر کی شاعری میں بھی خواجہ غلام فرید کے حوالے سےبک رومانوی نظم موجود ہے جس میں خواجہ غلام فرید کی شاعری کوں انہوں نے مصری سے بھی زیادہ میٹھا قرار دیا ہے۔ اور اس میں بیان کی گئی فکر کو انہوں نے سورج کی نور بکھرتی کرناں قرار دیا ہے۔ خواجہ غلام فرید سے رومان کی یہ بک بہترین نظم ہے ، نظم ملاحظہ کیجے:

"میڈے خواجہ پیر فرید سئیں
تیڈے ہول مِٹھے مصری کولوں
تیڈے شعر مِٹھے ماکھی کولوں
بک سِجھ نوری ہیں سوچیں دا
تُوں چندر ہیں اساں لوکیں دا
تُوں سکھ خوشیاں دا چولا ہیں
بک ٹھڈڑی ہیل دا جھولا ہیں
تُوں موج فقیری مستی دی
تُوں بانگ ہیں عشق حقیقی دی
بے واسیاں دا توں چاروہیں
تُوں کُل دردیں دا داروہیں
کردید تے درد گمسیج ونجے
میڈے دل دا شہر وسیج ونجے " (۹)

خواجہ غلام فرید کے ساتھ ڈاکٹر نصراللہ خان ناصر جو اپنے جذبات کا جو یہ اظہار کیا ہے وہ جذباتی اور رومانوی رشتہ صرف ان کا نہیں ہے بلکہ یہ تعلق اور رشتہ پوری سرائیکی قوم کا رومانس ہے جس کا اظہار ڈاکٹر نصراللہ خان ناصر نے اپنی اس نظم میں کیا ہے۔

عزیز شاہد کا شمار سرائیکی زبان کے رومانوی شاعروں میں ہوتا ہے ۔ ان کی نظم "جے مل پوندا پیر فریدڑ" ایک بہت ہی خوبصورت رومانوی نظم ہے ۔ جس میں انہوں نے ایک خواہش کا اظہار کیا ہے کہ اگر انہیں خواجہ غلام فرید جو مل جاتے توں وہ اُن سے پوچھتے ۔ اُن سے اپنے دل کے درد کا حال بیان کرتے اور پوچھتے کہ بچھڑے والے کیسے مل سکتے ہیں۔ کیونکہ خواجہ فرید سلطان العاشقین کہا جاتا ہے اور وہ عشق کے سارے رموز سے

واقف تھے۔عزیز شاہد کی یہ نظم خواجہ فرید سے سرائیکی شاعروں کے رومانس کوں بیا ن کرتی ہے ۔ یہ نظم رومانوی اسلوب اور رومانوی فکر کا ایک بہترین شاہکار ہے ۔نظم ملاحظہ ہو :

"آہدن پیر فریدڻ کولوں
آیا ھک مہینوال نماڻاں
آکھیس ----!
سیّاں ! کلہی مینھ ءِ کھیر نئیں ڈیندی "
آہدن پیر فریدڻ آکھیا
اُونکوں آکھیں
"لوک مِلڻ دے سانگے سِکدن
توں نئیں ملدی ؟"
آہدن مینھ مل پئی ہئی -----!
جے مِل پوندا پیر فریدڻ
اِتنا پُچھدے
نکھڑیے کینویں مِلسن !" (۱۰)

بچھڑنے والوں سے ملنے کی تمنا بھی رومانوی خواہش ہے ، اور پھر ایک ایسی ہستی سے ملنے کی خواہش کرنا جو بچھڑے ہوئے لوگوں کو ملنے کی رمز کو جانتا ہے ۔ رومان کے اندر رومان کی حامل یہ نظم رومانوی فکر کو جنم دیتی نظر آتی ہے۔جدید سرائیکی نظم گو شاعروں میں ایک اہم نام شکیل پتافی کا ہے۔ ان کے شعری مجموعے "اکھ ہے خواب عذاب "میں رومانوی نظمیں موجود ہیں۔ سرائیکی وسیب کے عام لوگوں اور شاعروں کا جور ومانوی رشتہ خواجہ غلام فرید کے ساتھ قائم ہوا ہے ، اس کی جھلک شکیل پتافی کے اس شعری مجموعہ کی نظم " خواجہ فرید سئیں دے ناں" میں دیکھا جا سکتی ہے۔ نظم ملاحظہ ہو:

"میں پانہاں ، میں بردا — خواجہ ! تیڈے دردا
ٹُوں شاعر آفاقی — مرشد فِکر ، فقر دا
آسڻ حال زبیری — بک ہے آس بشردا
رو وے زار و زاری — بھوگے بھوگ عمردا
مارے رات مریلی — کڑکے ڈینہہ حشر دا
رو رو اکھ جھپاروں — ڈیکھے خواب نجر دا
روہی ڈیڻ ڈڑاوے — منظر ، اُجڑے گھر دا
ٹُوں لج پال قلندر — تیکوں ماڻ فخر دا
کون ؟ فقیر فریدی ! — پل پل جیندا مردا
کون ؟؟ شکیل پتافی !! — تیڈے کوٹ شہر دا" (۱۱)

شکیل پتافی نے اس نظم میں جہاں خواجہ غلام فرید کوں سراہا ہے اور اُن کی شخصیت ، اُن کے فن اور اُن کی فکر کوں celebrateکیا ہے وہ بہت ہی لاجواب ہے۔ لیکن جو بات اس نظم میں خاص طور پر قابل غور ہے وہ شکیل پتافی کا اسلوب ہے ، یہ اسلوب بھی خواجہ غلام فرید کے اسلوب اور شکیل پتافی کے اپنے اسلوب کا ایک خوبصورت امتزاج ہے۔ اور یہی وہ رومانس ہے جو جدید سرائیکی نظم کے شاعروں کے ہیہاں خواجہ غلام فرید سے متعلق پایا جاتا ہے۔

اشولال اور رفعت عباس جدید سرائیکی نظم گوئی کی تاریخ میں بہت ہی اہم شاعر ہیں۔ ان دونوں شاعروں نے جدید سرائیکی نظم کوبہت مضبوط اور معتبر کیا ہے۔ ان دونوں کی شاعری سے جدید سرائیکی شاعری میں نئے فکری در وا ہوئے ہیں۔ روایتی فکر سے انحراف ان کی شاعری کا طرۂ امتیاز ہے۔ یہی چیز ان دونوں شاعروں میں جدید

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

رومانویت کی بنیاد رکھتے ہوئے نظر آتی ہے۔ اشولال کی شاعری پوری سندھ وادی سے رومانس کی ایک خوبصورت مثال ہے۔ سندھ وادی کے صوفیانہ فکر سے ان کا گہرا لگاؤ ہے۔ اس صوفیانہ فکر سے تعلق رکھنے والے صوفیاء، مفکرین اور شاعروں میں ایک بڑا نام خواجہ غلام فرید کا ہے۔ اشولال کے شعری مجموعہ " کاں وسوں دا پکھی " میں اُن کی نظم"روہی دی اُڈیل "میں سندھ وادی کے اُن علاقوں کے حسن کی کہانی کوشعری قالب میں ڈھالا گیا ہے جسے موجود ہ نام نہاد ترقی نے آلودہ کردیا ہے۔ ان جنت نظیر علاقوں میں روہی کا علاقہ بھی شامل ہے۔ "روہی دی اُڈیل " اسی کتھا کو بیان کرتی ہوئے مختصر نظمیں ہیں۔ جس میں اشولال نے خواجہ غلام فرید کی اسی روہی سے اپنے رومان کا اظہار کچھ یوں کیا ہے:

"اونویں لُڑکیاں ہن کنیں ککریاں دے اونویں ڈاچیاں دے گل ہسیاں ہن
اونویں ہیل گھلے تاں کترڑ دی کئی میل توں خوشبو آندی ہے
سِک اپڑے نال "تراوے "دی مونہہ تارہمیشاں راہندی ہے
انہاں پیراں نال مسافراں دے اج کوئی ٹوبھا کل کوئی ٹوبھا
اے کملی دل بھانویں جتھ ہووے روہی نال ہے اپڑے خواجے دی " (۱۲)

انسان چاہے کہیں بھی ہو، اُس کا دل وہی ہوتا ہے جہاں فطرت کے وہ نظارے جو روح میں اُتر جاتے ہیں وہ انسان کے ساتھ رہتے ہیں۔ وہ جہاں جہاں جاتا ہے وہ نظارے، وہ حسن، وہ خوشبو اُس کے ساتھ ساتھ رہتی ہے۔ خواجہ غلام فرید، اُن کی روہی اور اُن کی شاعری سرائیکی شاعری کے ساتھ ساتھ رہتی ہے۔اشولال کی شاعری اُسی رومانس کا تسلسل ہے جو رومانس خواجہ غلام فرید کوروہی سے تھا۔ اشولال نے اس رومانس کے دائرے کو روہی سے پوری سندھ وادی تک پھیلا دیا ہے۔ جدید سرائیکی نظم کے بڑے شاعروں میں ایک بڑا نام رفعت عباس کا ہے۔ رفعت عباس کی شاعری میں جدید رومانویت اپنے پورے شباب اور جوبن پر نظرآتی ہے۔ زرعی سماج سے شہری سماج کے رومان تک سفر رفعت عباس کی شاعری کا سب سے بڑا رومانس ہے۔ رفعت عباس کی شاعری میں بھی خواجہ غلام فرید کا رومانس اپنی پوری رعنائی کے ساتھ موجود ہے ۔ ان کے شعری مجموعہ " ماہولی دا باغ" میں خواجہ غلام فرید سے متعلق ان کی ایک نظم"فرید" میں انہوں نے خواجہ غلام فرید کولوری، قصے اور عشق کا شاعر قرار دیا ہے ۔خواجہ فرید کی شاعری میں جو امن اور محبت کا درس ہےاسے سراہا ہے۔رفعت عباس کی یہ نظم ملاحظہ ہو:

" او لوری تے قصے
عشق اتے نویں ہک ڈیس دا شاعر اے
اوندی شاعری وچ تلوار ڈھالڑ
گھوڑیاں کوں سدھاوڑ دی کوئی اٹکل کینھی
کبوتر کوہڑ
تے جگ سارے کوں وٹھڑ دی کئی ہکل کینھی
اوندی شاعری لٹھیاں کیتے روز روز دا داٹھ پانی" (۱۳)

رفعت عباس خود ہک نرم و گداز لہجے کے امن پسند اور صلح جو شاعر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خواجہ غلام فرید کی شعر ی جمالیات اور شاعرانہ فکر کے رومان میں وہ بھی گرفتار لگتے ہیں۔ اللہ بخش یاد بھی جدید سرائیکی شاعری کے بہترین شاعروں میں گنے جاتے ہیں۔ ان کی غزلیں ، گیت ، ملی گیت اور مختصر آزاد نظمیں رومانوی عناصر کی حامل ہے ۔ان کا شعری مجموعہ "پِڑ جھمراں دے " اپنے عنوان سے ہی ایک رومانوی شعری مجموعہ نظرآتا ہے۔ اس شعری مجموعے میں اُن کی نظم"پیر فرید سئیں دیاں کافیاں"اُن کے خواجہ غلام فرید سے جدید سرائیکی شاعروں کے رومان کوظاہر کرتی ایک بہترین نظم ہے۔ جس میں اللہ بخش یادخواجہ غلام فرید کی کافیوں کو ہر شخص کی آسانی ، خوشی اور پیار پرم کا ،من کی آباد دنیا کے اُجالے ، ماہولی کے مان کے لیے ایک تعوذ کی مانند

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

سمجھتے ہیں۔ اس نظم کا آخری حصّہ خواجہ غلام فرید سے رومانس کا ایک بہترین نمونہ پیش کرتی ہے ۔ اس نظم کا آخری حصہ ملاحظہ ہو:

"پیر فریدڑ سئیں دیاں کافیاں
ساڈی کل دا
نُور منارا
ساڈی آجدا آ سسرا ٹیکی
ساڈی فجر دا سوجھل دَگ ہن
کافیاں پیر فریدڑ سئیں دیاں" (١٤)

مخمور قلندری کی شاعری رومانوی عناصر سے بھرپور ہے۔ ان کی شاعری میں بھی خواجہ غلام فرید سے وابستگی اور لگاؤ موجود ہے۔ جو اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ سرائیکی شاعروں کی جدید نسل میں بھی خواجہ غلام فرید ایک رومانس کی حیثیت رکھتے ہیں۔مخمور قلندری کے شعری مجموعہ "ترش" میں اُن کی نظم" خواجہ غلام فرید سرکار دے حضور" ایک بہت ہی خوبصورت رومانوی نظم ہے جس میں مخمور قلندری خواجہ غلام فرید کی اُس قسمت پر رشک کرتے نظر آتے ہیں جس میں روہی کی بہاروں اور روہی کی خوبصورتی سے لطف اندوز ہونے لکھا تھا۔ نظم ملاحظہ ہو:

"میڈا خواجہ سئیں
تئیں چَس چئی ہے
تئیں روہی ڈٹھی اُوں ویلے
جڈاں روہی ، روہی ہوندی ہئی
جڈاں ہرٹیاں عربی نہی سکھی
جڈاں پہلا حرف اذان آلا
اناں تِتر تِلوراں نہی سُٹیا
جڈاں لاڑے کھار نسردی ہئی
جڈاں جنڈی ہیٹھ مکوڑے ہن
جڈاں بیر تے گالھڑ چردے ہن
جڈاں ٹوبھے تار ہن روہی دے
جڈاں چھیڑو دے ہتھ مرلی ہئی
تیڈے کافیاں گاندی ہڑی روہی
اجاں سیم ودی ہئی ہاکڑے دی
تیڈے کول نواب دی بیعت ہئی
تیڈے نال تاں قافلے ٹردے ہن
تئیں حسن ڈٹھا ہے روہی دا
تئیں چس دی تس وسمئی اپڑی
تیئں تس نئیں ڈٹھی روہی دی
میڈا خواجہ سئیں تئیں چس چئی ھے"(١٥)

اس نظم میں خواجہ غلام فرید کے ساتھ رومانس کا عنصر بھی موجود ہے اور خواجہ فرید کی روہی کے ساتھ وابستگی کی کتھا بھی موجود ہے، اس میں خواجہ غلام فرید کی شاعری کی مقبولیت اور قبولیت کا اعتراف بھی موجود ہے اور اس کے ساتھ ساتھ روہی کی موجودہ خستہ حالی کا ایک نوحہ بھی موجود ہے۔ جو پھر خواجہ غلام فرید سے رومانس کا ہک حوالہ بنتا نظر آتا ہے۔

اشولال اور رفعت عباس کی شاعری کوبھی سرائیکی خطے میں سراہا جاتا ہے اور celebrateکیا جاتا ہے ۔جدید سرائیکی نظم میں خواجہ غلام فرید سے رومانس کا اندازہ اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سرائیکی نظم کے ان دونوں بڑے شاعروں نے اپنے نظماں میں خواجہ غلام فرید کوں سراہا ہے اور celebrateکیا ہے۔اشولال اور رفعت عباس نے جس جدید سرائیکی نظم گوئی کی روایت کوسرائیکی زبان میں معیار اور وقار دیا ہے اُس روایت کو نئی نسل کے بہت سے نوجوان شاعروں نے برقرار رکھا ہے۔ ان شاعروں میں مالک اُشتر، فریاد ہیروی، غیور بخاری، ڈاکٹر گل عباس اعواٹ ،مظہر تابش، خالد منیرخالد، محمد ظہیر احمد، اظہر کلیانی تے مخمور قلندری کے نام قابل ذکر ہے۔

سرائیکی زبان کے جدید نظم گو شاعروں کی نظموں کے بغور مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ خواجہ فرید کا سرائیکی شاعروں سے ہک رومانوی رشتہ ہے۔ یہ رشتہ اب ایک ازلی اور آفاقی رشتے میں بدل چکا ہے۔جو نسل در نسل ایک رومانس کی صورت سفر کررہا ہے اور کرتا رہے گا۔ اس کی وجہ خواجہ غلام فرید کی اپنی زندگی اور اپنی شاعری ہے۔ فرید کی زندگی ایک مثالی انسان کی زندگی ہے۔جس میں اپنے مقصد کے ساتھ لگن کے ساتھ ساتھ عام لوگوں سے جڑت بھی، فطر ت کے ساتھ اُن کا لگاؤ بھی ہےاور پھر ان تمام چیزوں کو خواجہ غلام فرید نے جس انداز سے اپنی شاعری میں پیش کیا ہے۔جس طرح انہوں نے عام آدمی کے دکھوں اور خوشیوں کو اپنی شاعری میں بیان کیا ہے، جس طرح سے انہوں نے سرائیکی زبان کے سادہ ، رس بھرے اور غنائی اسلوب کے ساتھ سرائیکی ثقافت کو اپنی کافیوں کا موضوع بنا کر پیش کیا ہے ، اس سب نے خواجہ غلام فرید کوسرائیکی شاعری کا ایک رومانوی کردار بنا دیا ہے ۔ اُن کی شخصیت اور اُن کی شاعری خود سرائیکی لوگوں اور سرائیکی شاعروں کے لیے ہک رومانس بن گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک صدی گزر جانے کے باوجود آج بھی خواجہ غلام فرید کے کلام کو پڑھا جاتا ہے، سنا جاتا ہے، سمجھاجاتا اور گایا جاتا ہے۔یہ وہ خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے ان کی شاعری کو مثالی سمجھا جاتا ہے اور خواجہ غلام فرید جدید سرائیکی شاعروں کی شاعری کا ہک مستقل موضوع ہے اور خواجہ غلام فریدسرائیکی شاعروں کا ایک بہت بڑا رومانس بن چکے ہیں۔

حوالہ جات:

١۔ سجاد حیدر پرویز، ڈاکٹر، مختصر تاریخ زبان وادب۔سرائیکی ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ٢٠١٢ء، ص: ٤٨٩
٢۔ محمد کریم تونسوی، ارشد ملتانی، ریاض انور، پریت مہار، ملتان ، بزم ، ثقافت ، ١٩٦١ء(باراول)، ٢٠١٨ء(بار دوم)، ص:٥
٣۔ محمد حیات چغتائی، نذر، فرید، ملتان، سرائیکی ادبی بورڈ، ٢٠٠٢ء، ص:١٣
٤۔ ایضاً، ص:٢٤
٥۔ ایضاً، ص:٢٧
٦۔ ششماہی پیا م فرید ، لاہور، ١٩٨٧، ص:٧٨
٧۔ گردیزی، حسن رضا ، دھاہے دھوڑے، ملتان، بزمِ ثقافت، ١٩٧٩ء،ص:٧٣
٨۔ ارشادتونسوی ، ندی ناں سنجوک، ملتان، سرائیکی ریسرچ سنٹر ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتاان، ٢٠٠٦ء، ص:٢١
٩۔ ناصر، نصراللہ خان ،اجرک، بہاول پور،سرائیکی ادبی مجلس ١٩٩٠ء،ص:١٠٨، ص:١٠٩
١٠۔ عزیز شاہد، پُھل سرمی دے، ڈیرہ غازی خان ،رئیس عدیم دبستانِ سحر، ١٩٩٦،طبع دوم، ص: ٢١، ص:٦٢
١١۔ شکیل پتافی ، اکھ بے خواب عذاب ،راجن پور، عصائے کلیم پبلی کیشنز کوٹ مٹھن ،ص:١٩٩٧ء(طبع دوم) ص:٢٠
١٢۔ اشولال ، کاں وسوں دا پکھی، ملتان ، بیکن بکس ، ١٩٩٧ء،ص:١٠٢
١٣۔ رفعت عباس، مَاہولی دا باغ، ملتان، خمیس یاترا، ٢٠١٤ء،ص:٤٨
١٤۔ یاد، اللہ بخش، پڑ جھمراں دے ، ملتان، الکتاب گرافکس، ٢٠٠٧ء، ص:١٣٠
١٥۔ مخمور قلندری، ترش،ڈیرہ اسماعیل خان، ق پبلی کیشنز، ٢٠٢١ء، ص:١١٠